تاثرات

درس نظامی میں اصلاح کن سمتوں میں بروئے کار آنی چاہیے۔ اس سوال کی اہمیت اس وقت واضح ہوگی جب تعین یہ معلوم ہوسکے علم و عرفان کے کون گوشے ایسے ہیں جن پر کماحقہٗ توجہ مبذول نہیں ہوسکی۔ اور کون پہلو ایسے ہیں جن کے متعلق بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر ہمیں بالکل نئے زاویوں سے دیکھنا اور جانچنا ہے اور نئی روشنی اور نئے اجالوں کا اہتمام کرنا ہے۔

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ شروع ہی سے ہمارے تعلیمی حلقوں میں قرآنِ حکیم موضوعِ تدریس نہیں بن سکا۔ یعنی وہ کتابِ ہدیٰ جس نے علم و عمل کی دنیا میں انقلاب بپا کیا جس نے فکر و آگہی کے بوقلموں دبستاں سجائے۔ جس نے انسان کو شرفِ انسانیت سے نوازا اور بہرہ مند کیا جس نے اس کی ہمتوں کو جلا دی۔ اس کے عزم کو ابھارا اور کائناتِ انسانی میں خیرِ امم کا درجہ اور مقام عطا کیا۔ ہمارے تعلیم و تدریس کے نظام میں بحیثیت ایک موضوعِ تحقیق اور ایک عنوانِ جستجو کے منظرِ عام پر نہ آسکی۔ یہ صحیح ہے کہ درسِ نظامی کے فارغ التحصیل علما بالواسطہ اتنا کچھ پڑھ لیتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کے فہم و ادراک کا مسئلہ ان کے لیے چنداں مشکل نہیں رہتا۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنِ حکیم کو براہِ راست تعلیم کا نصب العین قرار دے کر پڑھایا جائے۔ اور ابتدائی درجوں سے لے کر انتہائی درجوں تک اس طرح مرحلہ وار اس کے متعلقات اور علوم پر روشنی ڈالی جائے کہ اس میں مندرجہ اصول اور نظریاتِ حیات کو نکھارا جائے اور اس کی ادبی اور لسانی عظمتوں کی نشان دہی کی جائے کہ جس سے طالب علم کے قلب و ذہن میں قرآنِ حکیم کے بارے میں مجتہدانہ بصیرت پیدا ہوسکے اور وہ اس لائق ہوسکے کہ اس کے انوار و تجلیات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکے۔ یہی نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنِ حکیم کی تعلیم و تدریس اس نہج کی ہو کہ اس سے پڑھنے والے کی زندگی پر اس کی چھاپ نمایاں ہو اور اس کے بارہ میں عشق و محبت کے ان ولولوں میں تحریک پیدا ہو جو اس کی پوری زندگی کو تہذیب و اخلاق کے اس حسین سانچے میں

ڈھال سکے، جیسے دیکھ کر اس دور کا انسان خصوصیت سے متاثر ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی تعلیم اگر ہماری زندگی کے معمولات کو نہیں بدلتی۔ ہمارے اخلاق و عادات کو نہیں سنوار پاتی اور ذہن و فکر میں تجدید و اجتہاد کی صلاحیتوں کو بیدار نہیں کر پاتی۔ اور ہمیں اس لائق نہیں ٹھہراتی کہ اس کی روشنی میں صحیح نو ... کی طرح ڈال سکیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے مطالعہ تعلیم اور تدریس میں اس کی اہمیتوں کا صحیح طور پر اندازہ نہیں کر پاتے۔ قرآنِ حکیم کے معاملہ میں ہماری عدم توجہی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس کے فہم و ادراک میں ایک طرح کی سطحیت اور اتھلاپن اُبھر آیا ہے اور ہماری دون ہمتی اور فکر کی پستی ہمیں یہاں تک کھینچ لائی ہے کہ وہ کتاب جو اپنے مطالب، محتویات اور انداز و اسلوب کے اعتبار سے نہایت درجہ عظیم اور انقلاب آفریں بھی تھی، جس نے ماضی میں علوم و فنون کے قافلوں کو آگے بڑھایا تھا اور زندگی میں نئے ولولوں کی تخلیق کی تھی، آج محض بحث و مناظرہ کا مظہر بن کر رہ گئی ہے۔ جس کا ہماری عملی اور فکری زندگی سے کوئی ناطہ نہیں رہا۔

قرآنِ حکیم کی تعلیمات، اور تعبیر و تشریح کو موجودہ حالات میں دو قسم کے خطرات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایک خطرہ وہ ہے جس کو مغرب کے مشنری ٹائپ کے مستشرقین ایک عرصہ سے نہایت سلیقے کے ساتھ پھیلانے میں مصروف ہیں۔ یہ ریسرچ اور تحقیق کے نام پر کچھ اس طرح کے شکوک پیدا کر دیتے ہیں کہ قرآنِ حکیم محفوظ نہیں ہے۔ اس کے مضامین زیادہ تر بائبل سے ماخوذ ہیں۔ اس میں مذکورہ قصص کی تاریخی حیثیت مشکوک ہے۔ اس کے اسلوبِ بیان میں نہ صرف کوئی ربط پایا نہیں جاتا بلکہ اس کا تضاد رونما ہے۔ اس میں کوئی نئی حقیقت مذکور نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب جس تہذیبی اور ثقافتی تناظر میں نازل ہوئی تھی وہ چونکہ یکسر بدل چکا ہے اس لیے اس کی تعلیمات کی وہ افادیت باقی نہیں رہی جو اسے ماضی میں حاصل تھی۔

دوسرا خطرہ برخود غلط اور جاہل مجتہدین نے پیدا کر رکھا ہے جنہیں تاجرانِ قرآنِ حکیم کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو نہ اس کی زبان کی عظمتوں سے آشنا ہے، نہ اسلامی علوم میں ان کو ادراک حاصل ہے، اور نہ ان کی عملی زندگی میں وہ احتیاط، ذمہ داری اور نیکی ہی پائی

، جو قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے۔ ان لوگوں کی مساعی کا محور یہ نکتہ ہے کہ قرآنِ حکیم اور
، قرآن جن پر قرآن نازل ہوا، دو مختلف حقیقتیں ہیں ، لہذا یہ قطعی ضروری نہیں کہ قرآن
، ادراک کے لیے احادیث و سنت کے ذخائر سے ہم روشنی حاصل کریں۔ یہ بھی ضروری
ہم یہ دیکھیں کہ قرنِ اول اور اس کے مخاطبینِ اولین نے اس کو کیونکر سمجھا اور کس طرح
کو اپنے عمل و کردار میں سمو کر دکھایا۔ ان کے نزدیک قرآنِ حکیم نے کسی فقہ، کسی ضابطۂ حیات
ب زندگی کی طرح نہیں ڈالی ، اس بنا پر یہ لازم نہیں کہ ہم اس کو سمجھنے کے لیے ماضی کی
ہر حال دیکھیں یا ماضی سے کوئی روشنی حاصل کریں۔ یعنی ان کے خیال میں ان سب حقائق
لع نظر، آج ہم محض ڈکشنری کے بل بر اس کو سمجھنے پر قادر ہیں۔

ب ہم اپنے نظامِ تعلیم میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کو خاص طور سے موضوع
ٹھہرایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں خطروں کے پیشِ نظر ہم ایسے محقق
ر کریں جن کا علم پختہ ہو، جن کا عمل صحیح ہو اور جو دلائل اور براہین کی روشنی میں ان
خطروں سے کامیابی کے ساتھ نمٹ سکیں اور موجودہ دور کے ذہن کو مطمئن کرنے کے ساتھ
، قرآن کے اصل مقام کو واضح کر سکیں اور اپنی علمی کاوشوں سے ثابت کر سکیں کہ یہ کتاب
، اس لائق ہے کہ انسان کی رہنمائی کر سکے اور موجودہ دنیا کے انسان کے لیے یقین و
، کا سامان فراہم کر سکے اور قلب و نظر کی راحت و سکون کی نئی دنیا بسا سکے۔

(جاری ہے)

محمد حنیف ندوی